ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

نازیہ پروین
پی ایچ ڈی اسکالر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر طاہرہ اقبال
پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

اردو ناول میں ارتکازِ نظر کی شناخت

Nazia Parveen
Scholar PhD, Govt. College Women University, Faisalabad.
Dr. Tahira Iqbal
Professor, Department of Urdu, Govt. College Women University, Faisalabad.

Recognition of Concentration Vision in Urdu Novel

Focalization is the relationship between the scene and the perception of a character. This connection is the significant part of the content of a story. The current study foregrounds that either the incidents in story line are narrated by the writer or a particular character's performance exposes the series of events. This technique helps the readers to apprehend the given content. The entire situation becomes more evident through conceptual knowledge. Moreover, all the elements of association are necessary for better understanding. This article has explained focalization in selected Urdu novels.
Key Words: *Focalization, Relationship, Significant, Foregrounds, Performance, Technique, Knowledge.*

ناظر اور منظر کے درمیانی رشتے کو ارتکازِ نظر Focaliazation کہا جاتا ہے۔ یہ خصوصی رشتہ کہانی کے بیانیہ متن کا ایک اہم جزو ہوتا ہے۔ کہانی میں وقوع پذیر ہونے والے عمل کو دکھایا جاسکتا ہے اور اسی عمل یا واقعہ اور منظر کو کسی کردار کے ذریعے بیان بھی کیا جاسکتا ہے۔ قاری اس طریقہ عمل سے ممکن حد تک براہ راست متن تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ شعور کی رو سے یہ صورت حال واضح ہوتی ہے اور ارتباط کے عناصر ایک دوسرے سے متلازم ہوتے ہیں۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

بیان کرنے کا یہ عمل بصیرت (Vision) ادراک، حواس اور ان کے انکار سے مکمل طور پر مختلف ہوتا ہے۔

> "The presentation of a seen through the subjective perception of a character."(1)

ارتکاز نظر کہانی اور لسانی تفاعل کے درمیان ایک سطح کی حیثیت سے موجود ہے۔ ارتکازِ نظر میں فاعل ایسا مقام ہے جہاں سے رابطے کے اجزا کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ مقام کہانی کا کوئی کردار بھی ہو سکتا ہے اور متن سے باہر کوئی اور راوی بھی ہو سکتا ہے۔

اگر ارتکاز کار Focalizer کسی کردار میں (Co-incidence) ہو تو یہ کردار باقی کے تمام کرداروں پر فوقیت رکھے گا اور قاری اسی سچائی پر یقین رکھے گا جو سچائی اس کردار کے ذریعے کہانی میں بیان ہوئی ہے۔ ارتکازِ نظر میں یادداشت کو خاص اہمیں حاصل ہے۔ یادداشت ماضی کی امین ہے۔ مگر کہانی میں یادداشت حال کو ظاہر کرنے اور بیان کرنے میں روبہ عمل ہوتی ہے۔ عام فہم ہے کہ حافظہ، قصے کے مقابلے معتبر نہیں ہے۔ مگر جب کسی قصے کو یادداشت کے مطابق الفاظ کا جامہ پہنا کر خاص ترتیب دے کر مجازی اظہار کی شکل میں سامنے لایا جاتا ہے۔ ضروری نہیں ہر وہ چیز یادداشت میں محفوظ بھی ہو جو تجربات میں رونما ہوئی ہے۔ صدمہ انگیز واقعات اور عمومی واقعات یہ تفاوت ڈرامائی ہوتا ہے یہ کیفیت کہانی اور متن دونوں سطح پر ہوتی ہے۔

> "Focalization is the submission of the narrative information to a perspectival filter."(2)

یادداشت اور حافظہ اصل میں زبان و مکان میں تسلسل اور رابطے کی اہم کڑی ہے۔ دنیا کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک کی صورتحال میں صدیوں کی تفاوت، تعمیری کارکردگی، قوموں کا عروج وزوال کی کہانی یادداشت کی بدولت ہی ہم تک پہنچتی ہے۔

یادداشت ایسے ماضی کو ابھارتی ہے جس میں نو آبادکاروں نے تو غلام آبادی کو ان کی زمینوں سے بے دخل کر دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایسا ماضی بھی سامنے آتا ہے جس میں غلام آبادی نے شکست نہیں مانی اور اپنی بقا کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN (Online): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ارتکاز نظر ہی کردارِ تعمیر کا وہ سفر ہے جس کی مدد سے ماضی خاکہ کشی کو منظم طریقے سے پیش کرتا ہے جس میں زمانے وقت اور اس کے محسوس تجربے کے گہرے پن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ منظر کو تاریخ سے مربوط کر کے دیکھنے سے یادداشت کو مکانی جہت فراہم ہوتی ہے۔

ارتکاز نظر یادگار آثار کو مخصوص عرصے کے وجود میں رکھنے کا متبادل طریقہ ہے۔ جس کے متعلق Edouard Glissant لکھتے ہیں:

"کسی کام میں منظر ایک کی تعمیر کرتے ہوئے صرف ایک آرائشی آلہ نہیں رہتا بلکہ یہ وجود کا تشکیل جز ہو جاتا ہے۔"(۳)

وقت اور تاریخی وسیاسی محاصرہ کہانی کی بنت میں اس طرح عمل پیرا ہوتا ہے کہ کہانی کا بیانیاتی تجزیہ واضح ہو جاتا ہے۔ جب ارتکاز نظر کسی واسطے کے ذریعے ظاہر ہو جیسے کوئی کردار اس کو بیان کر رہا ہے تو یہ کردار ارتکاز کار کہلائے گا۔ ارتکاز کار دو طرح کے ہوتے ہیں۔ داخلی ارتکاز کار اور خارجی ارتکاز کار، داخلی ارتکاز کار کہانی کا کوئی کردار ہوتا ہے اور خارجی ارتکاز کار ایک دوسرے سے تبدیل بھی ہو جاتے ہیں۔

مرتکز معروض:

ناظر کس منظر اور کس کردار پر زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے۔ پسند اور ناپسند کے اس اہم معاملے کا تجزیہ بہت اہم ہوتا ہے۔ ہم معروض کی جو تصویر دیکھنا چاہتے ہیں اس کا تعین ارتکاز کرتا ہے۔ ارتکاز کار کی پیش کردہ معلومات ارتکاز کار کے عکس کو ابھارنے میں مدد دیتی ہے۔

۱۔ کردار کس چیز پر حد سے زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟
۲۔ ارتکاز کے دوران کس قسم کے رویوں کو ظاہر کرتا ہے۔
۳۔ ارتکاز کی پیش کردہ معلومات کس حد تک معروضی ہیں۔

ناول اور ارتکاز نظر:

ناول میں کہانی کو کرداروں اور واقعات کی مدد سے پیش کیا جاتا ہے۔ کرداروں کے ذریعے قاری کو احساسات اور افکار کی بصیرت عطا ہوتی ہے۔ قاری ناول میں موجود کرداروں کے احساسات کو محسوس کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی ردوبدل کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں کہ وہ ان احساسات کو اختیار کرے یا ردعمل پیش کرے یا مخالفت کرے۔ کرداروں کے موقف اور عمل میں مسابقت کہیں خفی تو کہیں نمایاں نظر آتی ہے۔ صیغہ واحد متکلم

کے ناولوں میں یہ عنصر غالب ہو گا مگر دوسرے ناولوں میں قاری پر یہ عدم تناسب مکمل آگاہی فراہم نہیں کرتا۔ بلکہ ابہام کی وقوع پذیری اور پیچیدہ صورت حال کا موجب بنتا ہے۔

ارتکاز نظر ہی ناولوں میں پیش کیا جانے والا جاندار عنصر ہے۔ جس کی مدد سے بیانیہ قاری سے ہمدردی وصول کرتا ہے۔ ناول میں پیش کیے گئے افکار اور فلسفوں کی مدد سے قاری کے مافی الضمیر کو بدلا جا سکتا ہے۔ مروجہ اصولوں کا طرف دار بھی ہو سکتا ہے اور مخالف بھی۔

قاری کی ذہنی سوچ ہم واری اور مخصوص نقطہ نظر کی آبیاری ارتکازِ نظر سے ہی ممکن ہے اور کہانی پیش کرنے کا مقصد بھی ارتکاز نظر کی بدولت ہی مکمل ہوتا ہے۔ بیانیہ کی مختلف سطحوں کی بنیاد ارتکاز نظر اور مرتکز معروض کی مشاہداتی صفت پر مبنی ہے۔ بیانیہ دانشور اور متخیلہ کی عملی تفسیر لفظیات کے خاص پیرائے میں پیش کرنے کا اہم عنصر ہے۔

کوئی ایک لفظ ایسا استعارہ بن جاتا ہے جو تہذیبی، تاریخی، سیاسی اور سماجی مطالعات میں استعمال ہونے کا مخصوص تصور بن کر ابھرتا ہے۔ بیانیہ میں متن، قدیم اور جدید تہذیب سے نمو پاتا ہے۔ ہمارے ارد گرد پھیلے وسیع منظر نامے کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

تخلیق کار ہمیشہ اخلاقی تصورات اور ثروت مندی کو زمانے اور جگہ کے اعتبار سے تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ وہ جس تہذیب، جس زمانے، جس زبان کے متعلق لکھتے ہیں تو اس زمانے کی معاشرت اور جگہ کے پابند ہوتے ہیں۔ تخلیق کار، سہو زمانی سے بچنے کے لیے ہمیشہ استعاراتی اور علامتی انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔

تہذیبی، تاریخی تصور کے لیے تاریخ اور بشریات کی کتابیں اسی طرح تشکیل دی جاتی ہے۔ ایسی کہانیوں کی تشکیل میں ارتکاز نظر اس تخلیق میں حصہ لیتا ہے۔ جس کی مدد سے قدیم و جدید، قریب یا دور کے معاشرے کی بصری قربت یا دوری سے مطالب اخذ کرتا ہے۔ مثلاً لفظ ''عصمت دری'' ایک استعاراتی اور علامتی ارتکاز نظر ہے جس میں ایک واقعہ یا کئی واقعات بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ واقعات کا مجموعہ کہانی کی تشکیل کرتا ہے۔ کہانی ہمیشہ حرکی (Dynamic) ہوتی ہے جس کی وجہ سے تمام تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اسی عمل کی کی بدولت سارے کردار ایک دوسرے سے جڑ کر رابطے کی شکل میں ناول کی عمارت کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ''ارتکاز نظر'' کا قوی وجود کبھی کبھی پورے بیانیے کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس کے تجزیے کے ذریعے بیانیاتی پس منظر کو اظہار کی راہیں ملتی ہیں اور بیانیہ کے دہرے پن کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔ اس طریقے کار کے استعمال سے ناول میں قدیم تہذیب کو بھی اہمیت ملتی ہے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN (Online): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اور موجودہ تہذیب کی خام صورت بھی واضح ہوتی ہے۔ ارتکاز نظر متعدد عامل، فاعل، تعبیروں کی کثرت اور تجربات کا منبع بھی ہو سکتا ہے۔

ایک فرد کی داخلی وحدت کے لیے درست اور دوسرے کی داخلی وحدت کی خلاف ورزی بھی ہو سکتی ہے۔ چاہے کسی معاشرے، کسی تہذیب میں قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ ارتکاز نظر کے یہ پہلو، بیانیہ کی مختلف انواع کے تجزیے اور شناخت کو ظاہر کرتے ہیں۔ معروضی معنوں میں اضافیت اور علاقائی تہذیب کے درمیان عملی اور معاشرتی کشمکش کو پراگندہ کرتی ہے۔ ارتکاز نظر کی سطحوں میں مشاہدہ، تجسس، سنسنی خیزی شامل ہے۔ ارتکاز نظر ظاہری اور باطنی دو سطحیں رکھتی ہے۔ان سطحوں کو مخصوص شناختی نشان EF (External Focalization) اور باطنی یا داخلی(CF (Internal Focalization Central سے علامتی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ارتکاز نظر کا ایک سطح سے دوسری سطح میں تبدیل ہونے کو ان نشانات کی مدد سے پیش کیا جاتا ہے۔ یہ وہ نشانات ہوتے ہیں جو ایک سطح سے دوسری سطح کی طرف منتقلی کی طرف اشارہ ہیں اور تخلیق کار کی مافی الضمیر کی وضاحت کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب خارجی اور داخلی سطحیں آپس میں ملتی ہیں تو ارتکاز نظر (EF+CF) تشکیل پاتی ہے۔ یہ صورت حال سادہ اور عمومی ارتکاز نظر کی بنیاد ہے۔ پیچیدہ اور ذو معنی ارتکاز نظر کے لیے سطحیں بھی پیچیدہ نہیں رہتی، مبہم اور دوہرے ارتکاز نظر کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس ارتکاز نظر کے لیے EF / CF کا فارمولا استعمال ہوتا ہے۔

ناول میں کہانی کو تقویت، سنسنی خیزی اور تجسس کی بدولت ملتی ہے اور قاری کی دلچسپی کو بھی مہمیز کرتی ہے۔ تجسس کسی بھی جذبے کو درپیش حقیقت کو مخفی صورت حال کا نام ہے جس کا تجزیہ پیش کرنا آسان نہیں ہوتا اور اس تجسس کی بدولت تخلیق کار ایک نفسیاتی حربہ استعمال کرتا ہے جس کی بدولت کہانی کی قدو قیمت میں اضافہ اور مقبولیت کا باعث بنتا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات کہانی میں علامتی طور پر بھی مضمر ہوسکتے ہیں اور وضاحتی پیرائے میں بھی موجود ہو سکتے ہیں۔

قاضی افضال حسین لکھتے ہیں:

> "تجسس کو بڑھانا ہو تو بار بار دہرانے کی ضرورت پڑے گی کہ تجسس کسی چیز کے اعلان سے شروع ہوتا ہے۔ جو بعد میں واقع ہو گی یا یہ طریقہ ممکن ہے کہ جس اطلاع کی فوری ضرورت ہو اس کے متعلق تھوڑی دیر تک عارضی خاموشی اختیار کی جائے، دونوں صورتوں

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

میں قاری کے سامنے پیش کیے جانے والے بیان پر فریب(Menipulated) ہوتی ہیں۔"[۴]

تجسس ارتکاز نظر کی کلید ہے۔ جاسوسی ناولوں میں ارتکاز نظر کا پیش خیمہ یہی تجسس ہوتا ہے جو ان ناولوں کی مقبولیت میں اضافہ کرتا ہے۔ تجسس ارتکاز کاروں کی مدد سے آہستہ آہستہ قاری پر ظاہر ہوتا ہے۔ جو اب معمہ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اطلاعات کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایسی صورت حال میں کبھی کردار اور قاری دونوں کہانی کے آخر تک صورت حال سے باخبر نہیں ہوتے۔ اگر ان تمام امکانات کو منظم صورت میں پیش کیا جائے تو درج ذیل امکانی صورت سامنے آتی ہے۔

۱۔ قاری + کردار (جاسوسی کہانی، جستجو، معمہ)
۲۔ قاری + کردار (دھمکی۔ خطرہ)
۳۔ قاری + کردار (راز)
۴۔ قاری + کردار (سادہ بیانیہ) کوئی تجسس نہیں۔

جاسوسی کہانی میں "جستجو اور معمہ" اس شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک قاری اور کردار انجام سے بے خبر رہتے ہیں۔ "دھمکی اور خطرے" کی صورت میں قاری باخبر ہو جاتا ہے اور کردار ان جان رہتا ہے اور جب "راز" کو بیان کیا جارہا ہوتا ہے تو کردار یہ جانتا ہے مگر قاری لاعلم ہوتا ہے۔ جب تک تخلیق کا کردار کی زبان سے یا کسی واقعے کے بیان سے اسے ظاہر نہ کردے۔ تجسس کی ان شکلوں کی مدد سے ارتکاز نظر کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور اسی وجہ سے کسی بھی کہانی کی پائیداری اور مقبولیت کا انحصار ارتکاز نظر میں تجسس کے غلبے اور سنسنی خیزی پر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جہانگیر احمد لکھتے ہیں:

"Focalizar" ایک ایسا" ایجنٹ "یا" کردار ہے جو بیانیے کے مفہوم و مقصد اور جہت کا تعین کرتا ہے۔ ہر بیانیہ متن کسی نہ کسی علم، آئیڈیالوجی یا ثقافتی پس منظر کے حصار میں ہوتا ہے۔ وہ کسی نفسیاتی نکتے، انسانی فطرت کی کسی کمزوری، کسی سیاسی نظریے، کسی ثقافتی رسم یا تہذیبی صورت حال پر بطور اصرار کرتا ہے۔ یہی بیانیے کی Focalization ہے۔"[۵]

ہر ناول کا تھیم ایک منفرد اور مخصوص زمانی و مکانی صورت حال میں پیش ہوتا اور تشکیل پاتا ہے۔ ارتکاز نظر کسی بھی ناول کے بنیادی تھیم کی اہم کڑی ہے جس پر کہانی کی پیچیدہ اور مجرد صورت حال کو ٹھوس علامتی پیکر عطا کیا جاتا ہے۔ یہ علامتی پیکر خاص نقطۂ نظر اور آئیڈیالوجی رکھتا ہے جو افراد کو درپیش صورتحال کے متعلق خاص قسم کے تاثرات اور تعصبات کو واضح یا ڈھکے چھپے انداز میں ظاہر کرتا ہے۔

Focalization ایک سے زائد قسموں کی ہوتی ہے:

۱۔ متعین ارتکاز نظر: جب مخصوص فلسفے کے اصلاحی پہلوؤں کی مدد سے تمام واقعات و کرداروں کی صورت حال کو مستقل نظر سے پیش کیا جائے تو متعین ارتکاز نظر کہلائے گی۔

۲۔ متغیر ارتکاز نظر: کہانی میں کئی واقعات بے ترتیبی سے رونما ہوں اور کوئی متعین اور مستقل ارتکاز نہ ہو۔ متغیر ارتکاز نظر کے نمونے ملتے ہیں۔

۳۔ تکثیری ارتکاز نظر میں ایک ہی واقعہ کئی سطحوں پر بیان کیا جاتا ہے اور ایک سے زائد نقطہ نظر سامنے آتے ہیں۔

۴۔ اجتماعی ارتکاز نظر میں ایک کہانی، ایک واقعہ کو ایک منظر یعنی Focalization Point کو کئی کردار اکٹھے بیان کریں۔ چند منتخب اردو ناولوں کے حوالے سے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

"موم کی گلیاں" از بانو قدسیہ کا ارتکاز نظر شہد کے چھتے اور خاندان کے کردار میں مماثلت کے بیان پر مبنی ہے۔ خاندان کے نر یعنی مرد کردار عمر بھر کماتے ہیں۔ زندگی کے معمولات کو دیکھتے ہیں اور گھر میں مادہ یعنی ماں اور بیوی کی حکومت ہوتی ہے جیسے شہد کے چھتے میں ملکہ کی حکمرانی اور افزائش نسل سے تعلق ہے۔ شہد کی مکھیوں کے مسلسل محنت پر ارتکاز کیا گیا ہے۔ ملکہ کی حیثیت کو زندگی کی پابندیوں میں لگی بندھی روٹین میں شب و روز گزارنے سے مسموم کیا گیا ہے۔

"چھتہ میں داخل ہونے سے پہلے وہ دہلیز پر کھڑی رہتی ہے۔ جیسے اس کے جی میں موت کی تمنا اور آئندہ نسلوں کی ذمہ داری بر سر پیکار ہوں۔"(۲)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

شہد کی مکھیوں کے Copulation tradition اور انسانی کنبے کی صدیوں سے چلی آ رہی خاندانی روایت کو Folicalized کیا گیا ہے۔ بد دیانتی، تساہل پسندی اور غیر ذمہ داری انسان اور حشرات دونوں میں یکساں طور پر موجود ہے۔ مصری اساطیری علامتی حوالوں سے مرتکز معرض سامنے آتے ہیں۔

"عزازیل" میں ارتکاز نظر ایک دنیا کے خاتمے اور نئی دنیا کی شروعات سے مشروط ہے۔ تصادم کی فضا شروع سے آخر تک اتم درجہ موجود رہی ہے۔ بدی اور نیکی، خیر وشر، ربوبیت اور شیطانیت، انسانیت، آدمیت، آبادی، بربادی میں تصادم، نظریاتی ٹکراؤ، حق و باطل ماتحتی اور اسیری پر ارتکاز کیا گیا ہے۔ عبادت، ریاضت اور سرکشی میں اٹوٹ رشتے کی خیر خواہی اور عنصریت سامنے آتی ہے۔ انتہائی خشک اور خاص مذہبی موضوع دلچسپی، تجسس، تحیر اور سنسنی خیزی کے باعث Focalization کا مرقع شکل بن گیا ہے۔ شر کی سب سے بڑی طاقت شاطون ہے جو سیارہ اردبان کا حاکم ہے۔ اردبان میں تین طرح کے باشندے تھے۔ ا۔ نوشی (خدا کی تخلیق کردہ)، شینانی۔ ان کے سروں میں مغزل نکال کر مصنوعی اذہان لگائے گئے تھے۔ ان کی ذہانت مشہور تھی۔ تکاشی یہ لوگ مصنوعی تھے ان کے پاس عقل تھی سفر کر سکتے تھے۔ مگر کسی شیناتی کے ماتحت رہ کر۔ یہاں ارتکاز نظر کا مرکز خدائی تخلیق جو انسان کی شکل میں ہے اور انسانی تخلیق سائنسی ایجادات اور روبوٹ ان کے درمیان تعلق اور تصادم پر مرکوز ہے۔ نظریہ آواگون کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہرمن، ہزاروں سالوں سے کئی جنم لے کر مسلسل بدی اور شر کو پھیلانے میں مصروف ہے۔

"انیسواں ادھیائے" کا ارتکاز نظر نظریہ آفرنیشن، خدا کا وجود دنیا کے قیام اس میں نظامِ زندگی، معیارات کے وجود، عقائد میں تفاوت، موت کی اٹل حقیقت، ہجرت، تقسیم اور جنگوں غرض انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل جدوجہد اور ذہنی کشمکش، اضطراب اور دہنی خلفشار کی وجودیت میں محوِ سفر ہے۔ مرتکز عنصر زندگی کا فلسفہ ہے۔ جس کے سامنے مذہب اور طبقاتی تقسیم دیوار بن کر کھڑی ہے۔ روح کی ماہیت وسیرت، جسم سے رشتے اور فنا کے نظریات اور فکار پر توجہ مرکوز کی ہے۔

"قربتِ مرگ میں محبت" میں ارتکاز نظر کا وجود موت اور فنا کے تصور کو رکھا گیا ہے۔ اس ناول کے آغاز سے موت کا بیان شروع ہوتا ہے اور اختتام بھی موت۔ خوشیوں کی موت، خواہشات کی موت، خوابوں کی موت، رشتوں کی موت، قدرتی مناظر اور ترتیب و تنظیم کی موت، جنسی جذبوں کی موت اور سب سے بڑھ کر انسانی وجود کی موت اور فنا پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ مور کی میاؤں میاؤں کو موت کی آواز کی علامت قرار دیا گیا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN (Online): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ہے۔ موت کے متعلق کچھ اس طرح کا بیان ملتا ہے کہ اس کے اندر کے سناٹے اور سکوت کو موت کی آمد سے ملایا ہے۔

سندھ کے سروٹوں اور جنگلی بیلوں میں اسے مور کی آواز سنائی دیتے ہیں۔

"جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا، اسے پرندے کی شکل سے شناسانہ تھا جو اس کے بھتیر میں بولتا ہے۔ کچھ معلوم نہیں، وہ کہاں سے آتی ہے اور کہاں لے جاتی ہے۔"(۷)

موت جہاں کہیں ہے۔ سرد لا تعلق اور بے مہر ہے۔ یہ تصور کیکٹس کی طرح ہے۔ تارڑ کے ہاں زوالِ عمر کے اعتبار سے قربت مرگ ایک فطری امر ہے۔ سلطانہ شاہ کے مکالمے میں تم سے مرگ کا بید جاننے آئی ہوں۔ کیا یہ مرگ ہے۔۔۔ گھپ اندھیرا۔۔۔ اور تالاب میں تیرتی تنہا اندھی مچھلی۔۔۔

"موت مجھے تمہارے پاس لے آئی ہے۔۔۔" مجھے بتاؤ کہ یہ عشق اور موت کا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ خاور کا وجود سے عدم وجود میں اترنا۔ قربت مرگ میں محبت کرنا مرگ اور محبت دونوں کے رشتے کی خواہش کو منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ "جنگ جاری ہے" قومی، مذہبی اور نسل پرستی کی تفاوت کے خلاف مزاحمتی رویے کا نام ہے۔ اس ناول میں اکثریتی طبقے کی طرف سے اقلیتی طبقے کی قوم کی بنیاد پر، مذہب اور نسل کی بنیاد پر ہونے والے استحصال پر توجہ مرکوز کی ہے۔ پورے ناول میں کرداروں کے ذریعے اس استحصالی رویے کے نتیجے میں جھیلنے والے مصائب اور ذہنی جسمانی اذیتیں اور داخلی کرب کو جنگ جاری ہے کا نام دیا گیا ہے۔ بابری مسجد کا انہدام صرف کسی عمارت کا مسمار کیا جانا نہیں ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کی قومی، مذہبی اور نسلی شناخت پر کاری ضرب ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت اور سیاسی غلبہ ہے اور ہر حربے سے مسلمانوں کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سیاسی چالوں اور غلیظ ہتھکنڈوں کے ذریعے کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں کو ذہنی اور نفسیاتی سطح پر خود اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بہار کے علاقے میں، کشمیر میں، اتر پردیش غرض پورے ہندوستان میں، عقیدوں کی بنیاد پر لسانی، قومی شناخت اور مساوی حقوق کی آڑ میں ہندو مسلم فسادات کی کئی دل دوز داستانیں اردو ادب میں ناولوں کی شکل میں موجود ہیں۔

"کاغذی گھاٹ" میں معاشرتی الجھنیں اور نئے بحرانی دور کے کھوکھلے نظریاتی تصورات کے طلسم کو پاش پاش کرنے پر توجہ مرکوز کی ہے۔ تقسیم کے بعد نو آبادیاتی نظام کی ناگہانی صورت حال، سیاسی اور معاشرتی منظر نامے میں چھپا خوف سامنے آتا ہے۔ درخت سے گرتے ہوئے خشک پتوں کی طرح انسان بھی وقت کے بہاؤ میں بے توقیر ہو جاتے ہیں اور اندر ہی اندر بیان کرتی انسانی آوازیں اظہار کی سطح پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ جاتی ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

جنم بھومی کے چھن جانے کا خوف، آزادی میں بغاوت کا خوف، پرانی قدروں کے ٹوٹنے کا خوف، مارکسی اور اشتراکی نعروں کی گونج میں سرمایہ داروں کی اجارہ داری کے ختم ہونے کا خوف، کئی خوف مل کر کاغذی گھاٹ تیار کرتے رہتے ہیں۔ یہ خوف ایسے تصورات ہیں یہاں کچھ بھی دائمی نہیں ہے۔ واقعات کی شکل میں گزرتے چلے جاتے ہیں اور انسان ان ماورائی نقوش کے پیچھے عمریں گزار دیتا ہے۔

"ہمارے اندر چیزوں اور واقعات اور انسانوں کو کسی ایک صورت ایک حالت میں قائم رکھنے کی کتنی تڑپ ہوتی ہے۔۔۔ انفرادی اور اجتماعی، باطنی اور خارجی سطحوں پر۔۔۔ زندگی۔۔۔ کی باہمی کشمکش جاری رہتی ہے۔ سو ہر شخص حالت جنگ میں ہے۔"(۸)

"کاغذی گھاٹ" میں معاشرتی کرب کی داستان کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے جو تقسیم ہندوستان کے پہلے حالات سے شروع ہوتی ہے۔ اس داستان میں تقسیم اور ہجرت کی کرب ناکی، آباد کاری کے سلسلے میں کی جانے والی بے ایمانیاں، ۶۵ء کی جنگ اور سقوط ڈھاکہ کا ناسٹیلجیا بیان کیا گیا ہے کہ ۶ ستمبر کے دفاع کے ساتھ ۲۱ دسمبر کا نوحہ کیوں فراموش ہو گیا۔ تاریخ کے کاغذی گھاٹوں سے کب کسی نے سبق سیکھا ہے۔ تاریخ تو اس ماں کی طرح ہے جو اولاد کی ہزار غلطیوں، ناکامیوں، بربریت کے ایوانوں میں طاقت کے نشے میں جھومتے حکمرانوں کی اکڑی گردنوں، نوے ہزار انسانوں کی زندگیوں کے پروانے پر قید و بند کی صعوبتیں مقدر بن گئی ہیں۔ "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" کو پھر سینے سے لگا لیتی ہے۔

"وقت نے جو واقعات اور مناظر کا طومار پھیلایا تھا، سمٹ رہا تھا۔ ایک ایکٹ ختم ہو رہا تھا۔ اپنے تمام سین اور مکالموں اور غلطیوں اور غلط بیانیوں کے ساتھ آئندہ یہ غلطیاں نہ ہوں گی شاید سب کرداروں نے فیصلہ کیا تھا۔ مگر کسی کو بھی غلط، صحیح کا اندازہ نہ تھا۔۔۔ کون کسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کتنی بے معنی کاوش، صرف لاحاصلگی حقیقت ہے۔"(۹)

سب رشتوں، رتبوں اور وقار کو کھو کر بھی انسان زندہ ہے۔ جبر و قدر کے معاملات، انسانی رویوں کے تضادات اور تعصبات پر ارتکاز کیا گیا ہے۔

"زینو" کا کلیدی نقطۂ نظر فکری سوچوں، اقدار و نظریات پر فوکس کرتا ہے کہ انسان صدیوں سے محوِ سفر ہے۔ تہذیبیں بدل گئیں۔ معاشرت بدل گئی مگر صدیوں کے سفر میں بھی انسانی سوچ و فکر کا دائرۂ عمل ویسا ہی ہے۔ جیسا صدیوں پہلے تھا۔ ہر زمانے میں تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی چلی جاتی ہے۔ موجودہ زمانہ بھی وہی سب کچھ اپنے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

آپ کو دوہرا رہا ہے جو ہزاروں سال پہلے کا منظر نامہ تھا۔ انسانی جبلت نے خوش کن پیرہن میں خود کو چھپا کر بھی انسانی سوچ کے دھارے کو نہیں بدلا۔

یونانی کردار، ارسطو، افلاطون اور سقراط کی مثلث سے علم و دانش کا جو سلسلہ شروع ہوا نسلوں تک چلتا رہا۔ مگر زمانے سے اظہار میں کہاں تبدیلی آئی۔ پولیس، فرعون، دارا، سکندر، اکبر، پال اور کئی صدیوں کے فرق سے بھی پولیس کی رعونت میں کچھ فرق نہیں پڑا۔ وارداتوں کا طرز عمل بدل گیا۔ اصطلاحات تبدیل ہو گئیں۔ سیاست اور حکمرانی کی بساط پر دنیا کے کردار اور نام بدلتے رہے مگر خود وہ ہر زمانے میں وہی رہی۔ عبرانی، فارسی، یونانی اور سنسکرت زبانیں انسانی حوالوں میں تو اضافہ کرتی ہیں مگر نظام، نظریے کو نہ بدل سکیں۔ زینو کا کردار، داخلی ارتکاز اور خارجی ارتکاز کا مرقع ہے۔ دونوں محاذوں پر ہر لمحے برسرپیکار رہتا ہے۔ وہ اپنی باطنی سوچ و فکر کی دنیا میں آزمانا چاہتا ہے۔ مگر دنیا کا نظامیاتی فریم غیر لچک دار ہے۔ خام مواد کو بالآخر اسی آہنی نظامیاتی فریم کے سانچے میں ڈھلنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے تخلیل میں رنگ آمیزی کر کے دنیا کے کینوس کو متوازن رنگوں سے سجانا چاہتا ہے۔ مختلف نسلوں، قبیلے عقائد کی جکڑ بندی اسے آزاد نہیں چھوڑتی۔ قتل و غارت گری، منافقت سے جنگ کرنا تو آسان ہے مگر انسانی رویوں کی جنگ جیتنا ناممکنات میں ہے۔

خالد اقبال یاسر لکھتے ہیں:

> "امریکہ گلوبلائزیشن کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ کبھی سکندر بھی پوری دنیا کو اپنی وحدت میں پرو کر اسے مہایونان بنانے نکلا تھا۔ یہ ایک عالمی حکومت کا خواب تھا۔ اس عالمی حکومت کے ماتحت حکومتیں اپنے اپنے دائروں کا نام سکندر رکھنے لگی ہیں۔ جیسا ٹیکشاشیلا کے لوگوں نے رکھا تھا مگر فطرت اپنے سبھاؤ نہیں بدلتی۔"(۱۰)

زینو میں پیش کردہ رومان ایک منفرد طلسماتی فکر کا حامل ہے جو علم و دانش کی بنیاد ایک نئے عہد، نئے انسان اور ایک نئی دنیا کے قیام کو شرمندہ تعبیر کرنا چاہتا ہے۔

"قلعہ جنگی" میں مزاحمتی رویے کو نکتہ نگاہ کا دائروی مرکز قرار دیا ہے۔ امریکہ و افغان جن میں جنگی بربریت اور بمباری سے تباہ حال اور زخمی سات کردار جو "قلعہ جنگی" کے تہہ خانے میں جمع ہو کر زندگی کی سانسیں بحال کر کے موت کے خلاف مزاحمت، عالمی ظالم کے خلاف جبر و قدر کے فلسفے اور انسانی رویوں کی سفاکیت پر ارتکاز کرتے ہیں۔ بھوک، پیاس اور زندگی کی بقا حیوانی جبلت کی متقاضی ہے۔ دوسرا نکتہ نگاہ جنگوں کے نتیجے میں ہونے والی

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

تباہ کاریوں کا احوال بیان کیا ہے۔ قدیم وقت سے لے کر موجودہ سائنسی عہد تک جنگوں نے صرف ذلت، غلامی، غربت، افلاس اور بھوک جیسی نفسیاتی، جنسی اور جسمانی اذیت سے روشناس کروایا ہے۔ وسائل پر قابض ہونے خطوں پر تسلط اور غالب اور محکوم کی داستانیں رقم کی ہیں۔ ناول میں تیسرے نمبر پر حاصل بحث زندہ رہنے کی خواہش انسانوں اور حیوانوں میں مشترک طور پر پائی ہے۔ گھوڑا اسی اشتراک کی اکائی ہے۔ ذومعنی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ گھوڑا افغانستان کی علامت بھی ہے۔ جسے روس امریکہ بار بار حملے کر کے زندہ نگلنے کی کوشش کر چکے ہیں مگر اس نے اپنی بقا کی جنگ جاری رکھی اور اب ان ایٹمی طاقتوں کی حالت ایسی ہے کہ نہ نگل سکتے اور نہ اگل سکتے ہیں۔ گھوڑا مارنے کے منظر کو ناول میں انسانی نفسیات کے زیر اثر پیدا ہونے والی الجھنوں کے مکالمے بیان کیے ہیں۔

"ایک عرب کے لیے گھوڑا عزتِ نفس ہوتا ہے جو حسین کو شہید کر دیتے ہیں لیکن ان کے گھوڑے کو گزند نہیں پہنچاتے۔"[۱۱]

پرانی قدروں کا کھوکھلا پن نمایاں ہے۔ غیر ملکی امداد کو طفیلے سے متصادم قرار دیا ہے کہ انسانی وجود کو یہ امدادی طفیلے ناکارہ اعضا میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ مردہ ضمیر کے ساتھ یہ کٹھ پتلی انسان کبھی بھی کسی بھی کمزور انسان کا گلہ کاٹ سکتا ہے۔

"پوکے مان کی دنیا" کا تھیم ٹیکنالوجی کا بے دریغ استعمال ہے۔ یہاں اس کے مثبت پہلو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی منفی پہلو بھی سامنے آتے ہیں کہ انسانی ذہن جو تخیلی دنیا کی آماج گاہ ہے۔ اس کی سکرین پر جو منظر ابھرتا ہے۔ انسانی سوچ اُسی کی تابع ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس ناول کا تھیم بھی سائنسی ایجادات کی تباہ کاریوں پر مبنی ہے۔ بچوں کے معصوم ذہنوں نے کارٹون کو اپنا آئیڈیل بنا لیا ہے اور انہی کو دیکھ کر وہ ساری حرکات و سکنات سیکھتے ہیں اور ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ "پوکے مان کی دنیا" ان پوکے مانز کو Picket monster کہا گیا ہے۔ بچے خود کو بھی پوکے مان سمجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ناول کا کردار روی کنچن بھی خود کو ایک بڑا پوکے مان سمجھتا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے شیطانوں سے انسانی ذہن اور خیالات کو جکڑ چکا ہے اور انسانی گراوٹ اور تنزلی کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسری طرف راج نیتی سب سے بڑا مذہب بن چکی ہے۔ اقتدار کی ہوس نے رشتوں ناطوں کی پہچان بھلا دی ہے۔ چنگی رام اپنی بیٹی سونالی کے ساتھ ہونے والے حادثے کو سیاسی رنگ دے کر سماج سے ہمدردی کی آڑ میں اپنی سیاست چمکانا شروع کر دیتا ہے۔ شوبھا سے بے زار ہو کر سمترا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سونامی کو سیاسی مہرے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

"یہ سب تو راج نیتی میں چلتا ہی رہتا ہے۔۔۔ چنتا مت کرو۔ راج نیتی میں زیادہ ایموشن بنا بنایا کام بگاڑ دیتی ہے۔۔۔ سونالی کو منچ پر لاؤ وہ اپنے دکھڑا روئے گی۔۔۔ اس کا دوش کیوں یہ ہے کہ وہ دلتا ہے۔"[۱۲]

"مورتی" میں عورت کی نفسیاتی شکست وریخت کو علامتی انداز میں ارتکاز کیا گیا ہے۔ "مورتی" کی طرح عورت کو بھی زندگی بھر لب سیئے رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ گھر کی زینت میں اس کی حیثیت مورتی کی طرح ہی ہوتی ہے کہ وہ گھر کی سجاوٹ کے وجود کے مرکز کا حصہ ضرور ہوتی ہے مگر انفرادی طور پر بعض اوقات اپنے خیالات، خواہشات پر بند باندھنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف، ناراضگی شوہر کی طرف سے بے توجہگی اور بیوی کا صبر واستقلال پر ارتکاز کیا گیا ہے۔ یہ کہانی فرد کی انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف اشارہ ہے۔ مرد پرست معاشرے میں عورت کی تخلیقی خوبیوں کی قدر کو ہمیشہ تنگ نظری سے دیکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اور اس کے ہاں مزاحمتی رویہ جنم لیتا ہے۔ جب جبر وقدر حد سے تجاوز کرتا ہے تو مسیحائی ہاتھ اور قوتیں بھی بیدار ہوتی ہیں۔ "مورتی" کے مرتکز معرض غالب ومغلوب، جبر وقدر اور مسیحائی قوتوں کا اظہار ہے۔ مجسمہ سازی کے فن کی ناقدری کا المیہ بھی ہے۔

"پار پرے" ایک علامتی نفس مضمون پیش کرتا نظر آتا ہے۔ انڈیمان جزائر پر سزا پاجانے والوں کو تاریخ میں سفاکیت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر عصری استعماری طاقتوں کے شکنجے میں جکڑے بے بس معاشروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اندھے قانون میں معمولی معمولی جرائم یا الزام کی پاداش میں سیاسی نظام کی حیوانی پالیسیوں، جبری قوانین کے تحت حبس بے جا اور شخصی شناخت کے مسائل، بنیاد پرستی، مذہبی یا انتہا پسندی کیا اسے گاندھی کے سیکولر نظریات کی نفی نہیں گردانا جاسکتا۔ کالے پانی کی سزا کب ختم ہوئی ہے۔ بس چہرے بدل گئے ہیں۔ آج کا موجودہ انسان اپنے حصار میں، اپنے گھر میں، اپنی کمیونٹی میں، اپنے عقائد میں محصور ومقید ہو کر رہ گیا ہے۔ ہندو مسلم فسادات ہو، نچلی اور پچھڑی ارزل ذاتوں کا استحصال ہو۔ کئی صدیوں سے کشمیر میں خون و آگ کی ہولی، دن رات جاری وساری ہو، کیا یہ سزائیں کالے پانیوں کی سزاؤں کی کریہہ اور ترقی یافتہ شکل نہیں ہے۔ اس ناول کے کینوس پر نفسیات انسانی کے آدرشی فلسفے کی آبیاری کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ہندوستان مہاتما گاندھی کے اس فلسفے کی عکاسی کرتا ہے۔ دشمن سے نفرت مت کرو، بہادری سے اس سے لڑو۔۔۔ مگر آج تو ایک ملک کے شہری محض عقائد کی بنا پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔ ناول نگار نے پار پرے کی مدد سے فرقہ وارانہ قوتوں اور سیاسی واستعماری قوتوں کے زہریلے اور خطرناک عمل اور رد عمل کی فضا کو کرداروں کی مدد سے ارتکاز کیا ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"ڈاکیا اور جولاہا" میں کئی زاویوں سے ارتکاز نظر سامنے آتا ہے۔ ڈاکیا اور جولاہا معاشرے کی بنیادی اکائیاں ہیں۔ پیغام رسانی اور زندگی کے ہر شعبہ ہائے زندگی کے معمولات اور متحرکات میں شامل ہونے کے لیے لباس کی ضرورت نے ان پیشوں کو معاشرتی کلید بنادیا ہے۔ دوسرے معنوں میں بندگی اور ربوبیت، ازل سے ابد کے رشتے، زندگی اور موت کے سفر کا پیغام رساں اوران دیکھی راہوں کے مسافر ہونا انسان کے درمیانی رشتے کی علامت بھی ہے۔ تیسرے نمبر پر زندگی کے خدوخال اور بدلتے ہوئے مراحل میں تشکیلی جزو بھی ہیں۔ چوتھے نمبر پر عشق کا قوی وجود بھی پیغام رسانی کا مرہونِ منت ہے۔ جس میں محبت اور محبوب کے درمیان پیغام رساں کا وجود تیسرے فرد کا کردار ادا کرتا ہے۔ ان بڑے ارتکاز کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ذیلی ارتکاز بھی موجود ہے۔ جن میں تہذیبی ادغام کے تفاعیل، دیارِ غیر میں بسنے والی نسل کی ماضی پرستی اور اولاد کی طرف سے تجرباتی، ذہنی اور شخصی نمائندگی نظر آتی ہے نسوانی فطرت کی یکجائی بھی خاص نقطہ ارتکاز کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ عورت کا عشق فردِ واحد کے لیے یعنی عشق میں یکتائی کا دیوتا اسے محصور کیے رکھتا ہے۔ جس کی مثال نتالیہ کا کردار ہے۔ جو شادی کے پچیس سال بعد بھی رودین سے اپنے عشق کو زندہ رکھتی ہے اور اس سے ملنے پاکستان پہنچ جاتی ہے۔ سب سے اہم موضوع جو تارڑ کے ہاں قوی تر خیال کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ وہ موت کا تصور اور اس کا بیان ہے۔ مگر اس خیال میں مایوسی، محرومی، ناآسودگی کی بجائے محبت کی گود اور عشق کے میدانوں کا راہی دکھایا ہے۔ یہ خیال ایک فنتاسی کو جنم دیتا ہے اور بڑھاپے کا خوف ناک اژدھا مسحور کن کیفیات اور یادگار لمحات میں تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔ ادھوری خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ کامل تصور کا موجب بنتا ہے۔ "سوان" کا پھر سے آکر اپنی خانقاہی نظام کا حصہ بن جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان اپنے جبلی دائروں میں ہمیشہ کے لیے مقید ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ آبائی جبلت عمر کے آخری حصے میں لوٹ آتی ہے۔

"انسان آبائی جبلت کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا، چاہے ماحول کی تبدیلی کئی سمندروں کی بنیاد پر ہو، آبائی خواب اور خدشات انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ انسان اپنی نسلی وراثت، بنیادی تربیت اور آبائی زمین کی تاثیر سے جان نہیں چھڑا سکتا۔"(۱۳)

"العاصفہ" میں عربوں میں طاری جمود اور سفاک آمرانہ طاقت کا شاہی نظام جس نے معاشرے میں بے بسی، بے حسی، گھٹن اوراخلاقی گراوٹ اور سماجی تہہ داری پر ارتکاز کیا گیا ہے۔ مخصوص گھٹے ماحول اور اقتصادی پسماندگی اور نسائی استحصال منیرہ اور لولو کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ منیرہ جس کے والدین دولت کی لالچ میں عرب

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

شیخ سے شادی کرتے ہیں۔ منیرہ کے ہاں پہلے بچے کی پیدائش مردہ حالت میں ہوئی اور کمپلی کیشن کا شکار ہو کر اس کی یوٹرس خراب ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا شوہر اپنی جنسی ضرورت پوری کرنے کے لالچ میں اسے یوٹرس نکلوانے کی اجازت نہیں دیتا۔ کئی آپریشن کروانے کے باوجود اس کی بیماری بڑھتی چلی گئی اور وہ موت سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

"منیرہ عرب تیل کی طرح تھی کہ جس کو جلد سے جلد ختم کیا جارہا تھا یعنی زندگی کے اس حصے میں وہ تیل کے خالی کنویں کی طرح تھی۔"(۱۴)

دوسرا استحصالی کردار لولو ایک شاعرہ ہے۔ اس کی ماں اس لیے اس کی شادی کے حق میں نہیں کہ پھر گھر کا کام کون کرے گا اور کم شکل و صورت کی وجہ سے "لولو" کے بدلے میں کوئی معقول معاوضہ بھی نہیں مل سکے گا۔ مگر آخر کار وہ ماں کی زیادتی کے باعث گھر سے بھاگ جاتی ہے اور ایسی جگہ مقیم ہو جاتی ہے جو بیروت اور مونٹی کا۔ سب سے بڑا کسینو (Casino) ہے اور جسم فروشی سے وابستہ ہو جانے کے باعث بیماریوں کی آماج گاہ بن جاتی ہے۔

"وہ ایسے کرنسی نوٹ کی طرح ہو گئی جو سرکولیشن میں نہ رہا ہو اور جسے قومی بنک واپس لے لیتا ہے اور وہ غائب ہو جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی میں سرکولیشن سے غائب ہو گئی۔ یہاں سمندر چاروں طرف سے اور اس پانی میں شارکس بھی ہیں۔ پتہ نہیں قدرت کے کس بنک نے اسے واپس لے لیا۔"(۱۵)

عرب معاشرہ ایسے لق و دق کی طرح ہے جس میں سیاست کی Act of Fantasy کا تصور محال ہے۔ کمیونزم کے داعیوں کے لیے موت کی سزا مقرر ہے۔ جس کا پولیس نظام ریاست کا وفادار ہے۔ ایسا معاشرہ کیوں کر جاسوسوں اور ان کے گماشتوں کا جال بچھنے دے گا۔ ایسے معاشروں میں انقلاب کا خواب بھی صدیوں میں پورا ہوتا ہے۔ جہاں شعور کا احساس جدید عہد میں بھی مخصوص لوگوں کا حق سمجھا جائے۔

سوائے تخیلاتی خواہش جو انفرادی سطح کا فیصلہ ہی ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی "العاصفہ" ہی سخت طوفانی عذاب کی شکل میں تبدیلی لا سکے۔ ناول نگار نے عرب معاشرے میں ہونے والے ظلم، استحصال، گھٹن، جبر و قدر، بے بسی اور بے انصافی کے دور کو اتکاز نظر رکھا ہے۔ یہاں عورت کی حیثیت جسمانی ضرورت سے زیادہ نہ ہو کو حقیقی زاویوں سے منعکس کرنے کی کوشش کی ہے۔ قومیت سے بین الاقوامیت پر جرات مندانہ انداز میں قلم اٹھانے کا کریڈٹ حسن منظر کو جاتا ہے۔ انہوں نے عرب معاشرے کو حقیقی انداز میں فوکس کیا ہے۔ پاکستانی، عربی اور غیر ملکی، سماجی، سیاسی، تہذیبی اور اخلاقی سروکاروں کی دیدہ زیب انداز میں منظر کشی مصنف کا خاص وصف ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

"غلام باغ" میں مرزا اطہر بیگ نے کئی زاویوں سے بازیافت کے سلسلے میں ناول میں ارتکاز کیا ہے۔ غلام باغ کا انتساب ہی ارذل نسلوں کے نام کیا گیا ہے۔ وہ آغاز سے ہی نو آبادیاتی دور کے نسلیاتی مطالعے سے مشتمل ارذل نسلوں کی اساطیر نے کردار گلبرٹ والٹن ماہر بشریت کو متاثر کیا۔ وہ انگریزی دور حکومت کے ساختیاتی تعصبات کا کھوج لگانا چاہتا ہے۔ وہ اپنی تحقیقات کے محور ارذل نسلوں کے پہچان کے اصول مرتب کرنا چاہتا ہے کہ کیا ان نسلوں کی بھی کوئی اساطیر ہوتی ہے وہ یہ سب جاننے کے لیے ہندوستان آیا کہ مانگر جاتی قبیلے کے افراد میں مخصوص بیماری بھور ابخار کیوں آتا ہے اور اس حالت میں ایک جذباتی کیفیت کیوں طاری ہوتی ہے؟ تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے بھی اہم ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔

دوسرا اہم نکتہ ارتکاز چندر گپت موریہ کے دور کا جنم کھنڈر گمشدہ حقیقت کی طرح ہے اسی جنم کھنڈر کے گردونواح میں غلام باغ ہے۔ اسی غلام باغ سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کھنڈر کے تہہ میں چندر گپت موریہ کے شاہی خزانے کا صندوق دفن ہے۔ اساطیری حوالوں سے بین الاقوامی ماہرین آثار قدیم کی توجہ بھی مرکوز بھی ہو چکی ہے۔ تیسرا اہم نکتہ جس پر ناول نگار نے توجہ مرکوز کی ہے۔ وہ طبقہ امرا کی جنسی بھوک ہے۔ اس بھوک کے علاج کے لیے یہ طبقات یاور عطائی کی گنجینہ نشاط کے تجربات پر عمل پیرا ہو کر جنسی مہمات سر کرتے ہیں۔ ذہنی مریض پیرانائیڈ عورت ہے جو ڈاکٹر کی جنسی ہوس کا نشانہ بنتی ہے۔ سینمال کا چٹا سائیں جو خود ہوش و خرد سے بیگانہ ہے مگر جس کے در پر لوگوں کی ضعیف الاعتقادی عروج پر مجبور مقہور لوگوں کو تانتا بندھا رہتا ہے۔ معاشرہ ہمیشہ ذہین افراد کا استحصال کرتا ہے۔ اخبارات، جرائد اور صحافت کا ستون جن کی لیاقت پر استوار ہوتے ہیں مگر انہیں دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کی بھیانک صورت حال اور جاگیر داروں کے سیاسی اور سماجی حربے ان کا عوام پر ظلم اور استحصال ہے۔ یہ زمینی خدا اشرفیہ کے نام پر بدنما دھبہ ہیں جو انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ کمزور رعایا اور بے زمین لوگوں کو جانوروں سے نچلے درجے کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اقتدار میں آتے ہی ملک میں کوئی ایسا قانون بننے نہیں دیتے کہ subaltern کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہ آسکے۔ وہ مختلف حیلوں، بہانوں اور پالیسیوں سے عوام کے گرد زندگی کا دائرہ تنگ کرتے چلے جاتے ہیں۔ کالے دھندے سے منسلک جرائم پیشہ افراد جنسی ہوس اور زر وزن کی چاہ میں ہر وہ عمل کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں جو انسانی سطح سے کئی درجے گرے ہوئے ہوں۔

اس ناول کی قرات میں کئی متوازن کے اثرات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جس میں سر آرتھر نن ڈائیل اگاتھا کرسٹی، جے کے رولنگ، کئی تکنیکیں، ڈرامہ، فینٹسی کرائم، رومانس، المیہ اور اسرار نویسی، منطق الا منطق یا وہ

گوئی سے معنی کا استخراج، غیر متعلقہ استقرائی جہتیں اور بے پناہ فسطائیت کے ساتھ Temple Doom کے انڈیا جونز کے قدموں کی آواز اور مانگر جاتی کی عادات وخسائل کی حدود میں کالا جادو خواہ وہ گنجینۂ نشاط کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ متھ اور تاریخ کا ملا جلا اظہار یہ ہے۔ معنیاتی حوالے سے اور وجودیاتی Ontological لحاظ سے ان ناولوں میں ارتکازِ نظر کے کئی زاویے پیش کیے گئے۔ تخلیق کار ان مرتکز تصورات سے خاص تہذیب، زمانے اور زبان کے متعلق لکھتے ہوئے استعاراتی اور علامتی انداز سے قدیم وجدید، قریب اور دود کی معاشرت سے واقعات اخذ کر کے کہانی تشکیل دیتے ہیں۔ ارتکازِ نظر خصوصی طور پر اور ناول کی ثروت مندی میں اضافے کا باعث ہے۔

حوالہ جات

۱۔ www.oxforddictionary.com

۲۔ Jahn Manfred, "Focalization the Cambridge companion to narrative", Ed David Herman Cambridge University Press 2007, P. 94

۳۔ افضال حسین، قاضی، ارتکازِ نظر، مشمولہ: بیانیات (مرتب) قاضی افضال حسین، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۱۲۶

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۴

۵۔ جہانگیر احمد، ڈاکٹر، اردو ناول کی شعریات، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۱۱۲، ۱۱۳

۶۔ بانو قدسیہ، موم کی گلیاں، ص ۲۷۹

۷۔ مستنصر حسین تارڑ، قربت مرگ میں محبت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۲۵

۸۔ خالدہ حسین، کاغذی گھاٹ، دوست پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۹۸، ۱۹۹

۱۰۔ خالد اقبال یاسر، وحید احمد کا زینو اور زمانہ، مشمولہ: ادبیات خصوصی، ناول نمبر (جلد دوم)، شمارہ ۲۴، جنوری تا جولائی، ص ۱۷۴

۱۱۔ مستنصر حسین تارڑ، قلعہ جنگی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۰۵

۱۲۔ مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دُنیا، ص ۳۰۴

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

۱۳۔ سفیر اعوان، خس و خاشاک زمانے: ایک مابعد جدید تجزیہ، مشمولہ: معیار شمارہ نمبر ۸، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۸۱

۱۴۔ حسن منظر، العاصفہ، ص ۱۱۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷۵